ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

رتن ناتھ سرشار کے ناولوں میں معاشی تصورات

Economic Concepts in the Novels of Ratnath Sarshar

ڈاکٹر صائمہ اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر پروین اختر کلو
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
رضیہ برکت
ایم۔فل اسکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور، فیصل آباد کیمپس

ABSTRACT:

Economics is a social science that is closely related to other social sciences. Sociology and economics together determine the status of individuals in society. . "Maash" is an Arabic word meaning "the way of living and the way of living .In the literal sense, it refers to the means of living and all the articles of food and drink on which life depends. . In economics, the behavior of man is studied which he adopts to fulfill his material needs and desires. "Fisana e Azad"is the first novel of Sarshar. In this novel economic concepts are presented regarding the fading civilization and economy of Oudh. In this novel, economic concepts are described in terms of two classes. One class is the elite and the other is the lower class. This novel is also very important in terms of economic concepts.This article is also presented the economic concept in this novel.

Key words: Economics, Sociology, Maash, Arabic word, Fisana e Azad, Ratnath Sarshar

معاشیات ایک سماجی علم ہے جس کا دوسرے عمرانی علوم سے بہت گہرا تعلق ہے۔ سماجی و عمرانی علوم کے آپس کے تعلق کو انسانوں کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک معاشرے میں رہنے والے بہت سے انسان جس طرح اپنے کردار اور عمل سے دوسروں لوگوں کو متاثر کرتے ہیں اور خود بھی ان کے اثرات قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح تمام

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

معاشرتی علوم بھی ایک دوسرے پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ جہاں تک معاشیات کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشیات کا سیاسیات، عمرانیات، نفسیات اور اخلاقیات سے بڑا قریبی تعلق ہے۔

سیاسیات اور معاشیات تو عرصہ دراز تک ایک ہی علم یعنی "Political Economy" کے طور پر پڑھے جاتے رہے۔ اسی طرح عمرانیات میں فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کے ساتھ ساتھ فرد کی سماجی زندگی اور ذمہ داریوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ افراد معاشرہ کی زندگی میں معیشت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس طرح عمرانیات اور معاشیات مل کر معاشرے میں افراد کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہیں۔ معاشیات اور اخلاقیات کا تعلق اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ جب تک افراد معاشرہ اپنے افعال میں دیانت دار اور راست باز نہ ہوں گے وہ ریاستی ذمہ داریوں کو اپنا فرض جانتے ہوئے ایمان داری سے ادا نہ کریں گے۔

اس لیے معاشیات اور اخلاقیات کا بہت گہرا رشتہ ہے کہ ان اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر معاشی بدعنوانیوں سے لوگوں کو بچایا جا سکتا ہے۔ معاشرے میں دولت کی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم بہترین اخلاقی صفات سے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح معاشیات کا تاریخ اور علم الحساب سے بھی گہرا تعلق ہے۔ مختصر یہ کہ معاشیات دیگر تمام سماجی علوم کے ساتھ مل کر معاشرے کی فلاح و بہتری کے لیے رہنما اصول فراہم کرتی ہے۔ معاشیات دیگر سماجی علوم سے تعاون کرتی بھی ہے اور اپنے مقاصد کی کامیاب تکمیل کے لیے ان کا تعاون اور مدد بھی حاصل کرتی رہتی ہے۔

اللہ تعالی نے انسان کو بتا دیا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق کا ایک مقصد انسانوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولقد مکنکم فی الأرض وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلًا مّا تشکرون۔"

ترجمہ: "اور ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیے (مگر) تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔" (1)

اللہ تعالی نے انسان کی معیشت کو مختلف انداز میں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔

"نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا".

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ترجمہ:" ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک دوسرے ہ پر درجے بلند کیے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔" (2)

احادیث نبویہ ؐ میں بھی اسلامی معاشرے میں معاشیات اور معیشت کی اہمیت بڑے واضح انداز میں بیان ہوئی ہے۔ حضور اکرم ؐ کی حیات مبارکہ سے ہمیں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں آپ ؐ نے اپنی امت کی معاشی خوش حالی کے لیے دعائیں کی ہیں اور رزق میں فراوانی اور برکت کے لیے بھی دعائیں سکھلائی ہیں۔ مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے کمزور دیکھ کر آپ پریشان ہو جاتے اور کتنے ہی ایسے مواقع ہیں جب آپ ؐ نے دولت مند صحابہ کرام ؓ کو غریب مسلمانوں کی مالی مدد کرنے پر آخرت میں کامیابی کی نوید دی۔ اسلام میں معیشت کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے کتب احادیث میں درج " دعائے استخارہ" ہی کافی ہے۔ یہ دعا ایک طرح کا مشورہ ہے جو ایک مسلمان کسی بھی دنیوی کام کو کرنے سے پہلے اللہ تعالی سے کرتا ہے۔ اس عظیم دعا کے الفاظ پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام معیشت کی اہمیت کا اس قدر قائل ہے کہ ہر دنیوی کام کے انجام میں مسلمانوں کے معاشی فائدے کو اہمیت دیتا ہے:

"اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ طاقت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں۔ بے شک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، بے شک تو غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری معاش اور انجام کار کے اعتبار سے بہتر ہے تو اس کو میرے نصیب میں کر دے اور اس کو میرے لیے آسان بنا پھر میرے لیے اس میں برکت عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری معاش اور انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے پرے ہٹا۔ اور میرے نصیب میں بھلائی کر دے، وہ جہاں کہیں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔" (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۱۲۲) (3)

معاشیات کی تعریف اور مفہوم:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

معاشیات کا لفظ "معاش" سے ماخوذ ہے، اس سے مراد ایسا علم ہے جو انسان کی معاشی اور اس سے متعلقہ لوازمات اور مسائل سے بحث کرتا ہے۔ معاش "عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "روزی گزر اوقات کی صورت اور طرز زندگی (4) کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں اس سے مراد زندگی گزارنے کا سامان اور کھانے پینے کی وہ تمام اشیاء ہیں جن پر زندگی کا انحصار ہے۔ اردو زبان میں معاشیات "کے مترادف کے طور پر اقتصادیات کی اصطلاح رائج ہے۔ جس کا ماخذ لفظ "اقتصاد" ہے۔ جس کے لغوی معنی "بچت "پس اندازی، کفایت شعاری، روزی کی فراہمی (5) ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں اقتصادیات سے مراد وہ علم ہے جو پیداواری عمل دولت کی تقسیم، کاروبار اور کسب معاش وغیرہ کے مسائل سے بحث کرتا ہے۔

معاشیات یا اقتصادیات ایک سماجی علم ہے جو انسان کی معاشی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے۔ علم معاشیات میں انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو وہ اپنی مادی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لیے اختیار کرتا ہے۔
معاشیات کے علم میں معیشت سب سے بنیادی جز ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہم طبعیات کو مادہ، سیاسیات کو ریاست اور سماجیات کو سماج کے بغیر نہیں سمجھ سکتے اسی طرح معاشیات کو بھی معیشت کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ بالفاظ دیگر معاشیات اس بات کے مطالعہ کا بھی نام ہے کہ معیشت کیسے کام کرتی ہے۔

رتن ناتھ سرشار

پنڈت رتن ناتھ در سرشار 1846ء میں لکھنؤ برطانوی ہندوستان میں میں ایک کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ ہی میں تعلیم حاصل کی اور عربی، فارسی اور انگریزی سے واقفیت حاصل کی۔ ایک اسکول میں مدرسی کی خدمات پر مامور ہوئے اور (اودھ اخبار) اور (مرسلہ کشمیری) میں مضامین لکھنے لگے۔ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے جلد ہی شہرت حاصل کرلی۔ اور 1878ء میں انہیں (اودھ اخبار) کا ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔ فسانہ آزاد لکھنے کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا۔ کچھ عرصہ تک الہ آباد ہائی کورٹ میں مترجم کی حیثیت سے کام کیا۔ 1895ء میں حیدر آباد چلے آئے۔ مہاراجا کشن پرساد نے دو سو روپے وظیفہ مقرر کیا اسی دوران میں اخبار (دبدبہ آصفیہ) کی ادارت کرتے رہے۔ آخر عمر میں شغل شراب نوشی حد سے بڑھ گیا چنانچہ اس عادت نے صحت پر برا اثر ڈالا اور 1903ء میں وفات پا گئے۔ مشہور تصانیف میں سیر کوہسار، جام سرشار، کامنی، خدائی فوجدار، فسانہ آزاد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے الف لیلہ کا فصیح و بلیغ اردو زبان میں ترجمہ کیا جو بذاتِ خود ایک شاہکار مانا جاتا ہے۔ فسانۂ آزاد لکھنے کا سلسلہ یہیں سے شروع کیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

مشہور تصانیف میں سیر کوہسار، جام سرشار، کامنی، خدائی فوجدار اور فسانۂ آزاد ہیں۔ رتن نے حیدرآباد میں ۱۹۰۳ء میں وفات پائی۔

فسانۂ آزاد

فسانۂ آزاد سرشار کا سب سے پہلا ناول ہے جو دسمبر ۱۸۷۸ء سے دسمبر ۱۸۷۹ء تک اودھ اخبار کے کالموں میں بے ترتیبی کے ساتھ چھپتا رہا اور ۱۸۸۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ یہ سوا تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ناول میں اودھ کی مٹتی ہوئی تہذیب اور معیشت کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ سرشار نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ ماحول جدید اور قدیم تہذیب کے امتزاج کا ماحول تھا۔ نیا سماج پروان چڑھ رہا تھا اور پرانے مزاج کے لوگ اپنی شان و شوکت کی بقا میں مصروف تھے۔ یہ ناول بھی معاشی تصورات کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

سرشار نے اپنے ماحول کو قریب سے دیکھا۔ انھوں نے فسانۂ آزاد میں اودھ کے مسائل کو بیان کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل پر بھی کافی بصیرت افروزی کا ثبوت دیا ہے۔ اس ناول میں دو طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک طبقہ اشرافیہ کا ہے اور دوسرا ادنیٰ طبقہ ہے۔ اس طبقاتی تقسیم سے متعلق سید لطیف حسین لکھتے ہیں:

> ”لکھنؤ کی سماج میں دو طبقے ملتے ہیں۔ ایک اونچا طبقہ اور دوسرا نیچا طبقہ۔ اونچے طبقے میں سرکاری ملازم، ڈاکٹر، وکیل، تجار اور نوابین وغیرہ آتے ہیں۔ چھوٹے طبقے میں وہ لوگ ہیں جو کسی نہ کسی طرح اونچے طبقے والوں سے کسب زر کر رہے ہیں۔ مغلانیاں، مہریاں، داروغہ، مالی، کہار، استانیاں، چوڑی والیں وغیرہ جن کا تعلق براہ راست نوابین سے ہے۔ یہ نوابین کی کوئی نہ کوئی ضرورت ملازم کی حیثیت سے پوری کرتے ہیں۔ جس کے بدلے میں ان سرکاروں سے مالی معاوضے ملتے ہیں۔ نوابین سے میری مراد تمام جاگیر دار ہیں۔ جن کا ذریعہ معاش بڑی بڑی جاگیریں اور تعلقے ہیں۔ اور جن کا مشغلہ ٹی۔ ایس ایلیٹ کے الفاظ میں ” زندگی کو چائے کے چمچوں سے ناپنا ہے“۔“(6)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اس ناول کا اہم کردار بلکہ ہیرو 'میاں آزاد' ہے۔ یہ بے روزگار ہے اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا ساتھی خوجی پیشے کے لحاظ سے 'مصاحب' ہے اور نچلے طبقے سے ہے۔ حسن آراء طبقہ اشرافیہ کی نمائندہ ہے۔

میاں آزاد 'نہایت اوباش قسم کا انسان ہے۔ جس کا بنیادی مقصد اپنے نصب العین کا حصول ہے لیکن بے روزگار ہے، معاش کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جب اس کی ملاقات حسن آراء سے ہوتی ہے اور وہ حسن آراء سے شادی کی درخواست کرتا ہے۔ تو حسن آراء اس کو جواب دیتی ہے۔ اس حوالے سے بھی رتن ناتھ سرشار نے اہم معاشی تصور کو پیش کیا ہے:

> ''آپ کا ٹھور نہ ٹھکانہ۔ میں کسی سے آپ کا ذکر کروں تو کہوں کیا۔ کس کے لڑکے ہیں۔ کسی کے پوتے ہیں۔ کس کے نواسے۔۔۔ اپنے مشہور کرنے کی فکر کیجیے۔''(7)

میاں آزاد کے ساتھ ایک کردار 'خوجی' کا ہے۔ یہ پیشے کے لحاظ سے مصاحب ہے۔ وہ درباروں سے منسلک ہے۔ لکھنؤ کے بازاروں میں گھومنا اور میلے ٹھیلے دیکھنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ جب حسن آراء اپنی شادی کے لیے یہ شرط لگاتی ہے کہ پہلے 'میاں آزاد' ترکی میں رومیوں کے خلاف جنگ میں شرکت کرے تو آزاد کے ساتھ 'خوجی' بھی چلا جاتا ہے۔

حسن آراء کی 'میاں آزاد' سے شادی ہوتی ہے۔ حسن آراء شادی کے بعد اپنے باپ کی دولت کو غریبوں کے اصلاحی کاموں میں لگانے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ مصنف نے ناول میں تقریباً تمام طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''سرشار اپنی تہذیب کے ایک ایک کردار سے آگاہ تھا۔ اور فسانۂ آزاد ان تمام کرداروں کو ایک رواں منظر میں پیش کر کے ان کی طبقاتی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ سرشار سماج کے مختلف طبقات، ان کے کردار اور ان کی زبان سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان طبقات کی زبان کا لسانی ادراک سرشار کے فن میں نہایت گہرا ہے۔ سرشار زبان کے طبقاتی اظہار کا پورا شعور رکھتے تھے۔'' (8)

سرشار کے ناولوں میں صرف حسن و عشق کے قصے نہیں ہیں بلکہ معاشی حوالے سے زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ اس میں موجود ہیں۔ اس میں ایک طرف پنڈت، مولوی اور عالم ہیں تو دوسری طرف نواب، امراء اور رئیس بھی نظر آتے ہیں۔ اس میں جرائم پیشہ لوگ، منشیات فروش اور دووقت کی روٹی کے حصول کے لیے اپنے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

جسم کو فروش کرتی عورتیں بھی ہیں۔ مصنف نے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے کرداروں کے حوالے سے معاشی تصورات کو ناول میں پیش کیا ہے۔ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں :

"انہوں نے لکھنؤ کے معاشرے اور زندگی کو پیش کیا ہے۔ لیکن اس معاشرے کی یہ ایسی مکمل اور جامع تصویر ہے کہ اس میں محلوں سے لے کر بازار تک، زاہد ان خشک سے رنگین مزاج تک، بیگمات سے لے کر مہریوں تک، حرم سراؤں سے لے کر حسین پرکاریوں تک ہر مقام اور ہر شخص کا حال سچا بھی ہے اور دلآویز بھی۔" (9)

اس ناول میں معاشی لحاظ سے ہر طبقے اور ہر فن کے افراد ہیں۔ چانڈو باز، افیچی، کنجڑے، برف والے، مغلانیاں، مہریاں، طوڑی والیاں، ساقنیں، بھٹیارنیں، وغیرہ بھی ہیں۔ نواب بیگمات اور شہزادی، شہزادوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ ان میں ہر اک کی انفرادی خصوصیت ہے۔ ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ جس طرح سرشار ان سب لوگوں کے ساتھ رہے ہوں۔ کبھی چانڈ باز و کے ساتھ، کبھی باریش عالموں کے ساتھ اور کبھی خواجہ سرا کے فرائض انجام دیتے رہے ہوں۔

اس ناول میں رئیس زادیوں کی نمائندہ حسن آراء ہے۔ سرشار نے اس کردار میں طبقہ اشرافیہ کے حوالے سے معاشی تصور کو پیش کیا ہے۔ سرشار نے اس کردار میں طبقہ اشرافیہ کی تمام خوبیاں رکھ دی ہیں جو ان کے خیال میں ایک شہزادی یا معاشی لحاظ سے اعلیٰ طبقے کی کنواری لڑکیوں میں ہو سکتی ہیں۔ سرشار کے عہد میں توہم پرستی عام تھی لوگ لڑکیوں کی تعلیم کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حسن آراء کسی مدرسے میں نہیں گئی تھی لیکن تھوڑی بہت عربی اور فارسی جانتی تھیں۔ عموماً امیر زادیاں کھانا پکانے کے معاملے میں بے بہرہ ہوتی ہیں۔ لیکن حسن آراء خانہ داری کے کاموں سے واقف تھی۔ اس کے علاوہ ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہوا تھا۔ اس مدرسے کے قیام کی اصل وجہ غریب طبقہ کی مدد کرنا تھی۔

"ہماری دلی آرزو ہے کہ ہم مدرسہ نسواں قائم کریں۔ میں نے ایک لیکچر رکھا ہے۔ میاں آزاد اگر اصلاح دیں تو میں کسی دن یہاں کی شریف زادیوں کو جمع کر کے لیکچر دوں۔ شاید کسی کے دل پر اثر کرے اور کوئی نتیجہ نکلے۔" (10)

حسن آراء شادی ایسے انسان سے کرنا چاہتی ہے جو اچھا روزگار رکھتا ہو۔ وہ افیم کے نشے میں ڈوبنے والا، بیٹر باز، رند باز اور دوسرے مشاغل میں وقت ضائع کرنے والا نہ ہو۔ اصل میں حسن آراء یہ بات سمجھتی تھی کہ اگر انسان کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

پاس روزگار ہو گا تبھی لوگ اس کی عزت کریں گے۔ اصل میں لوگ معاشی حیثیت کو اہمیت دیتے ہیں انسان کی خود سے کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اودھ میں شاہی عہد اور اس کے بعد امراء کا طوائفوں کی یہاں آنا جانا فیشن تھا۔ اس طرح اپنی ڈیوڑھیوں پر دوچار مصاحبین کا پالنا بھی شانِ امارت سمجھا گیا ہے۔ مصاحبین لکھنوی تہذیب میں اپنی انفرادی خصوصیات کی وجہ سے علیحدہ طبقہ بن گیا۔ عام طور پر ان کا تعلق متوسط یا نچلے طبقے سے ہوتا تھا۔ ان کی تعلیم واجبی سی ہوتی تھی۔ لیکن گھاگ اور تجربہ کار تھے۔ مگر ذہانت اور برجستگی کا جوہر خداداد ہوتا تھا۔ سب ہی مصاحبین ' مفت خور' اور ' لیمو نچوڑ' تھے۔ یہ مصاحبین کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے تھے اور انہیں شراب کی طرف مائل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

سرشار کے عہد میں 'مہری' کی ذات سے ایک اہم پیشہ منسلک تھا۔ اس پیشے کی اپنی خصوصیات ہیں۔ ان کا تعلق نوابین سے ہوتا تھا۔ دنیا بھر کی خوشنودی حاصل کرنا اس پیشے کی ضرورت تھی۔ اس کی بدولت کتنے ہی نواب ' دام' میں پھنس گئے۔ فسانۂ آزاد میں اس کے بہت سے ثبوت ملتے ہیں۔ دراصل نوابین ان مہریوں سے ضرور دلگی کرتے تھے۔ اس لیے یہ تعجب کی بات نہیں کہ راز و نیاز جلوت میں سے خلوت تک پہنچ جاتے ہوں۔ سرشار کے اس معاشی تصور کے بارے میں سید لطیف حسین لکھتے ہیں :

> ''مہریوں کے سامنے ایک حسین اور تکلیفات سے خالی بیگمات کی زندگی ہوتی تھی۔ ان کی نظروں میں محلات کے عیش و عشرت کے نقشے کھلے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کے دماغوں میں بیگمات کی سی آرام طلب زندگی گزارنے کا خیال پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نواب کی دست درازیاں برداشت کر لیتی تھیں۔'' (11)

اس ناول میں 'عباسی' نام کی دو مہریاں ہیں۔ ایک عباسی وہ جو حسن آراء کے ہاں ملازم ہے اور دوسری 'ثریا' کی رفاقت میں ہے۔ معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے کوئی بیگم ہے تو کوئی کنیز اور کوئی مغلانی ہے۔

ان مغلانیوں، کنیزوں، طوائفوں اور مہریوں کے پیشوں میں فرق ہے۔ مغلانیوں کو مہریوں پر فوقیت حاصل تھی۔ مغلانیوں کا تعلق نیچ ذات سے نہیں تھا۔ مغلانیوں کے باقاعدہ خاندان نہ تھے۔ فسانۂ آزاد میں جس مغلانی کا ذکر ہے وہ سید زادی ہے۔ مہریاں بے پردہ رہتی تھیں۔ خانہ داری کے علاوہ گھر کے کام بھی ان کے سپرد تھے۔ اس کے برعکس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

مغلانیاں پردہ میں رہتی تھیں۔اس ناول میں سرشار نے نہ صرف امیر طبقے بلکہ نچلے طبقے کے حوالے سے بھی معاشی تصورات پیش کیے ہیں۔

لکھنؤ میں سامانِ تعیش کی فروانی تھی۔ ہر تقریب میں رقص و سرور کا انتظام کرنا اخلاقی فرض سمجھا جاتا تھا۔ سرشار نے لکھنؤ کے بیان سے بھی معاشی تصور کو پیش کیا ہے جس سے اس ناول کا مقصد اور ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ سرشار لکھتے ہیں :

> ''وہ رئیس کیا جو مردہ دل ہو۔ ریاست کے معنی یہ نہیں کہ کھایئے اچھا پہنے اچھا اور معشوق اچھے اچھے ہوں اور اگر گھر میں گھس کے دال چپاتی کھائی تو رئیس کیا۔'' (12)

لکھنؤ کا چوک اردو ادب میں ایک ادارے کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اردو کے لکھنؤ سکول اور چوک میں قریب ترین تعلق تھا۔ یہ چوک لکھنؤ کی تہذیب کا عکاس تھا۔ اور وہاں کی ادبی کوششیں اس تہذیب کی نمائندہ تھیں۔ اس چوک نے طوائفیں بھی پیش کی ہیں جو شاعرہ تھیں۔ جن کے ہاں اونچے جاگیر دار آتے تھے اور اس بات کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس بازار میں نوچینیں بھی تھیں جو مزدور طبقہ کے اعصاب کو سکون پہنچاتی تھیں۔ سرشار کی نظر سے یہ سب کچھ پوشیدہ نہیں تھا۔ یہ ان عورتوں کی معاشی مجبوریاں ہی تھیں جو ان کو طوائف بننے پر مجبور کرتی تھیں۔ یہ سب باتیں معاشی تصورات کے زمرے میں آتی ہیں۔

معاشی حوالے سے بھٹیارنوں اور ساقنوں کے پیشے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس زمانے میں اس پیشے سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ موجود تھے۔ نوابین تک ان کی پہنچ تھی۔ البتہ مصاحبین اور پیشہ ور طبقہ ان سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ مصنف کی تحریروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں چوک کی ساقنیں بھی بہت مشہور تھیں۔ معاشی حوالے سے چھوٹے طبقے کے لوگ افیم کھا کر ان کے پاس جاتے تھے۔ ان میں بعض ساقنیں خوش صورت بھی تھیں۔

سرشار کے زمانے میں جرائم کی بھی کمی نہ تھی۔ ہر طرح کے سماجی مجرم پائے جاتے تھے۔ چور بھی تھے اور ڈاکو بھی تھے۔ ڈاکو راہگذر کو لوٹتے تھے اور چور رات کے وقت دکانوں میں نقب زنی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کہیں موقع مل جاتا تو قتل و غارت سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بردہ فروشی بھی ہوتی تھی۔ بردہ فروشی میں مرد اور عورت دونوں ہوتے تھے۔ کچھ لوگ مذہب کا سہارا لے کر سماج میں ابتری پھیلا رہے تھے۔ حاجت مندوں کے ہاں گنڈوں اور تعویذوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

کے ذریعہ لڑکا پیدا کرنا، ملازمین فراہم کرنا وغیرہ کا فرض انجام دیتے تھے۔ سرشار اسی طرح ایک ڈھونگی کے حوالے سے معاشی تصورات کو اس طرح بیان کرتے ہیں :

"چودہ برس سن سے مجھے چوری کی لت پڑی۔ وہ مشاقی بہم پہائی کہ آنکھ چوکی اور گھڑی اڑائی، غافل ہوا، ٹوپی کھسکائی، پہلے کچھ دن تو لٹیا چور رہے، مگر یہ تو کرتی بدیا ہے۔ چند ہی روز میں چوروں کے ولی کھنگر ہو گئے۔(13)

اس طرح جرائم کی کثرت کے سلسلہ میں ایک دلکش بات یہ ہے کہ بہت سے جرموں کا ارتقاب خود پولیس حضرات کرتے تھے۔ سرشار نے خوبی کے ساتھ پولیس کی کارگزاریوں کو قصے کے پیرائے میں بے نقاب کیا ہے۔

الغرض ہر طبقے، ہر قوم، ہر ملت و مذہب، ہر پیشے اور حرفہ کے آدمی سے کماحقہٗ واقف نظر آتے ہیں۔ وہ ملائے مسجدی سے بھی واقف ہیں اور مجتہد عصر سے بھی۔ وہ نجومی و رمال سے بھی آگاہ ہیں۔ پنڈت اور جوتشی سے بھی۔ ان کے لوٹنے والے مصاحبوں کو بھی۔ غنڈے، شہدے، بدمعاش، نیک معاش، فقیر، جوگی، بنیا، نائی، حلوائی، سیٹھ غرض ہر پیشے اور ہر طبیعت کے لوگ ان کے ناول میں مل جاتے ہیں۔ الغرض یہ ناول معاشی تصورات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ القرآن: سورۃ الاعراف، آیت 10
2۔ القرآن: سورۃ الزخرف، آیت 32
3۔ سعید بن علی بن وھف القحطانی، "حصن المسلم" مترجم: محمد اختر صدیق، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، سن ندارد، ص 67 ۔68
4۔ شان الحق حقی "فرہنگ تلفظ" اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2008، ص 878
5۔ ایضاً: ص 66
6۔ لطیف حسین ادیب، سید، رتن ناتھ کی ناول نگاری، کراچی: کل ہندوستان انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء، ص ۲۲۶
7۔ رتن ناتھ سرشار، فسانۂ آزاد، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، جلد اوّل، ۱۹۸۴ء، ص ۲۰۷
8۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، فسانۂ آزاد، تنقیدی جائزہ، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۵ء، ص ۶۱
9۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، حیدر آباد: نیشنل بک ڈپو، ۱۹۷۳ء، ص ۲۰
10۔ ایضاً ص ۲۹۷
11۔ ایضاً ص ۲۳۰
12۔ ایضاً ص جلد اوّل ص ۲۳۱
13۔ ایضاً ص ۲۱